التفسیر؛ مجلس تفسیر، کراچی جلد ۵، مسلسل شمارہ ۱۶، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۱ء، ص ۵۔۱۳

اسلام میں سماجی طبقات

(سورۂ زخرف کی آیت ۳۲ کی روشنی میں)

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

Islam is luminously outstanding in its economical teachings. It has a temperament and potential to built a societal order in which the complete assurance of the denial to set up social classification on the basis of monetary status. According to Islam, the communism and the capitalism are two extremes. Islam wants to build a society based on justice, in between these two extremes. Thus, Islamic society does not bring forth any division on account of monetary superiority and inferiority. Rather it teaches its followers that if God has particularized people with various potentials, it certainly does not mean that those who are bestowed with substantial abilities and additionally potent will be unfair to the people who are inferior with them. Or will mock on those who are behind in the competition of economical excellence. Indeed, it is an imperative and crucial philosophy of Islam, which has been represented in an erroneous impression. Likewise, Sura-e-Zukhruf's verse# 32 has been translated and deduced in such a way, that the mentality and the system

of capitalism is assured by the God's declaration, even though the truth is against this judgment. However this concept will be comprehended through insightful perception. In this article through the above verse of Sura-e-Zukhruf, the fallacy of the capitalists mindset with the ideology of Quran is verified.

سورہ زخرف کی آیت ۳۲ میں لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا کے الفاظ ہماری بحث کا اصل موضوع ہیں اور انہی سے ہمارے مضمون کا عنوان متعین ہوا ہے۔ مذکورہ بالا الفاظ کا معنی بالعموم یہ کیا جاتا ہے:

"تاکہ ایک دوسرے کو اپنے کام میں مدد کے لیے لے سکیں۔" (ابو الکلام آزاد) [۱]

"تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لیں۔" (مولانا وحید الدین خان) [۲]

تاہم ان الفاظ کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے، جسے میں یہاں خصوصی معنی سے تعبیر کرتا ہوں:

"کہ ان میں سے ایک دوسرے کی ہنسی بنائے۔" (مولانا احمد رضا خان بریلویؒ) [۳]

"کہ انجام کار یہ ایک دوسرے کا مذاق اڑائیں۔" (مولانا غلام رسول سعیدی) [۴]

زیر نظر مضمون میں ہم اس فقرے کو آیت کے محل میں اور آیت کو اس کے سیاق وسباق میں دیکھیں گے تاکہ معروضی طور پر عطر حقیقت کشید ہو سکے اور اس فقرے کی صحیح تعیین راجح شکل میں متعین ہو سکے۔اس فقرے کی تفہیم کے لیے سب سے پہلے پوری آیت ملاحظہ کیجیے:

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ (زخرف:۳۲)

"کیا یہ لوگ تیرے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں ان کی روزی کو تو ہم نے تقسیم کیا ہے اور ہم نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دی ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لیں اور تیرے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو یہ جمع کر رہے

ہیں۔“ ۵؎

اور اب ثانی الذکر یعنی خصوصی معنی کے تحت ترجمہ ملاحظہ ہو:

”کیا یہ (کفار) آپ کے لیے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے ان کی دنیاوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ہم نے دنیاوی روزی میں بعض کو بعض پر کئی درجے فوقیت دی ہے کہ انجام کار یہ ایک دوسرے کا مذاق اڑائیں اور آپ کے رب کی رحمت اس مال سے بہتر ہے جس کو یہ جمع کر رہے ہیں۔“ ۶؎

اول الذکر ترجمے میں جو کہا گیا ہے، اس کی تفسیر یہ ہے:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت پر کفار نے یہ اعتراض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس منصب کے لیے کسی مال دار آدمی کو کیوں نہ چنا؟ اسی تناظر میں کفار کا ذکر صیغہ غائب میں کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ (اے رسول محترم!) تیرے پروردگار کی تقسیم کیا ان کے ہاتھ میں ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، بلکہ دنیوی زندگی کی روزی کی تقسیم بھی ہمارے ہاتھ میں ہے اور ہم نے اصول آزمائش کے تحت ایک کو دوسرے پر فوقیت دی ہے۔ یہ مدارج فوقیت اس لیے قائم کیے گئے ہیں کہ لوگ ایک دوسرے سے خدمت واجرت اور تعاون کے کام لے سکیں اور (اے رسول محترم) تیرے پروردگار کی رحمت ان کی جمع جتھا سے بہتر ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

”..... یہ امر یہاں واضح رہے کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لیے بنائی ہے۔ اس وجہ سے اس کا نظام اس نے اس طرح کا رکھا ہے کہ اس میں ہر شخص دوسروں کا محتاج بھی ہے اور محتاج الیہ بھی۔ بڑے سے بڑا بادشاہ بھی دوسروں کا محتاج ہے اور چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی اس میں محتاج الیہ ہے۔ یہاں کوئی بھی شخص دوسروں سے مستغنی نہیں ہے اور کوئی شخص بھی ایسا نہیں کہ معاشرے میں کسی نہ کسی پہلو سے اس کی افادیت نہ ہو.....“ ۷؎

اسی تصور کو ذرا خصوص اور ایڈوانس شکل میں مفتی محمد تقی عثمانی نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

”ہم نے ان کے درمیان معیشت کو تقسیم کیا ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر درجات میں فوقیت دی ہے تاکہ ان میں سے ایک، دوسرے سے کام لے سکے۔

ظاہر ہے کہ ایک دوسرے سے کام اس طرح لیا جائے گا کہ کام لینے والا کام کی طلب ہے اور کام دینے والا کام کی رسد ہے۔ اس طلب و رسد کی باہمی کشمکش اور باہمی امتزاج سے ایک متوازن معیشت وجود میں آتی ہے۔“ ۸؎

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مفتی تقی عثمانی صاحب نے اس آیت سے حیرت انگیز طور پر طلب و رسد کا معاشی قانون دریافت فرمایا ہے، حالانکہ اس آیت سے نہ قانون طلب کشید ہوتا ہے اور نہ قانون رسد۔ بات اصل میں یہ ہے کہ قرآن کی آیتوں سے جزءاً جزءاً جب اس طرح استدلال کیا جاتا ہے تو پھر ایسا ہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے، البتہ استقرا کے اسلوب پر قرآن مجید سے استدلال کرنے کا نتیجہ اس سے قطعی مختلف ہوتا ہے۔ اس لیے مجتہد کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید کو بحیثیت مجموعی ملحوظ رکھ کر استدلال کرے تاکہ امکان خطا کم سے کم رہ جائے۔ اس ضمن میں تصریف آیات اور نظم قرآن کا اصول اگر پیش نظر رہے تو مجتہد قرآن کی مراد تک بہ آسانی پہنچ سکتا ہے۔

اب ہم آیہ زیر بحث کے سیاق وسباق کو دیکھتے ہیں تاکہ آیت اپنے مفہوم کو خود متعین کردے۔ آیت زیر بحث سے قبل یہ فرمایا گیا ہے:

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ (زخرف ۳۱)

”اور انھوں نے کہا: یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا؟“

اس کی تفسیر یہ ہے کہ کفار مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر

اعتراض کرتے ہوئے اپنے مزعومہ خیال کے مطابق دنیاوی اعتبار سے اسے کسی بڑے آدمی کا استحقاق سمجھا تھا۔ ان کے نزدیک حضور اس رحمت کے سزاوار نہ تھے۔ ظاہر ہے کہ دنیوی اعتبار سے کسی آدمی کا بڑا ہونا اس کی معیشت سے وابستہ ہوتا ہے۔ معیشت میں جس درجے کی وسعت وکشادگی یا تنگی وطمطراق پایا جاتا ہے، آدمی کی شخصیت اسی درجے کی عظمت ورفعت کی حامل سمجھی جاتی ہے۔

نبوت ورسالت کا انتخاب چونکہ دنیوی اکتساب کے میدانوں سے نہیں، بلکہ محض خدا کی چاہت سے ہوتا ہے، اس لیے اسے معیشت سے وابستہ کرنا سطحی تخیل کے سوا کچھ نہیں۔ بایں طور اس آیت میں کفار کی جانب سے حضور علیہ السلام کا استخفاف مذکور ہوا ہے، اس لیے اگلی آیت میں رب تعالیٰ کی طرف سے یہ سوال اٹھایا گیا کہ کیا تیرے رب کی رحمت کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ یہ استفہام دراصل کفار کے استخفاف کا منہ توڑ جواب ہے۔ پھر تقسیم رحمت اور تقسیم معیشت دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام قدرت وحکمت سے وابستہ کرکے استخفاف کرنے والوں کو سمجھایا کہ خدا کی تقسیم معیشت میں لوگوں کو جو متفاوت رکھا گیا ہے، وہ اس لیے نہیں کہ لوگ ایک دوسرے کا استہزا کریں اور مذاق اڑائیں، بلکہ اس لیے کہ وہ اسے خدا کی ایسی حکیمانہ تقسیم سے تعبیر کریں جس کے نتیجے میں عملی تعاون کی صورت پیدا ہو، یعنی معیشت کی فراوانی سے لوگوں کو مسخر کرنے کا جذبہ پیدا نہ ہو، کیونکہ اس جذبۂ تسخیر سے لوگوں میں جاگیردارانہ اور وڈیرانہ ذہنیت پیدا ہوتی ہے اور استحصال کا رویہ جنم لیتا ہے۔ پھر اسی سوچ سے لوگوں کا تمسخر اڑایا جاتا ہے جیسا کہ آیت نمبر ۳۱ سے عیاں ہے۔

چنانچہ آیت نمبر ۳۲ کے زیر بحث فقرے کا صحیح محل وہ ہے جو مولانا احمد رضا خان بریلوی اور مولانا غلام رسول سعیدی کے تراجم سے واضح ہے، اس لیے کہ مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا وحید الدین خان کے ترجموں سے قرآن کی مقصدیت واضح نہیں ہوتی۔ عمومی تراجم کی رو سے جو تفسیریں کی گئی ہیں، اس سے معیشت میں متفاوت ہونے کے سبب مستقل بنیادوں پر بعض کو بعض کا مخدوم اور خادم ماننا پڑتا ہے اور یوں معاشی بنیاد پر ایک ایسا طبقاتی سماج وجود پذیر ہو جاتا ہے جسے قرآن کی تائید (Sanction) حاصل ہونے کے سبب مذہبی تقدس بھی

حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ اس طرح کے سماج میں معاشی تفریق وامتیاز کو خدا کی ایک ایسی تقسیم سمجھ لیا جاتا ہے کہ جسے قائم کرنا اور رکھنا خود خدا کا گویا مطالبہ قرار پاتا ہے، چنانچہ لیتخذ بعضھم بعضا سخریا کے اس معنی کو ہر دور میں سرمایہ دارانہ نظم معیشت میں لازمی عنصر کے طور پر بیان کیا جاتا ہے اور اسے خدا کی تقسیم کا نام دے دیا جاتا ہے، جبکہ قرآن مجید کے عمومی مطالعہ سے اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ قرآن انسانی سماج کو سرمایہ دارانہ نظم معیشت سے بچانا چاہتا ہے۔ چنانچہ آیت زیر بحث سے اس طرح کا استدلال خود قرآن کے مقصود ومدعا کے خلاف استدلال ہوتا ہے۔ کم از کم قرآن کے استقرائی اسلوب سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔

آیت زیر بحث کے مابعد آیات میں جو مضمون آیا ہے، وہ بھی اسی مفہوم کا مؤید ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ، وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَابًا وَسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُوْنَ، وَزُخْرُفًا وَإِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ (زخرف ۳۳-۳۵)

"اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے تو جو لوگ رحمان کا انکار کرتے ہیں، ان کے لیے ہم ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور زینے بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں، اور ان کے گھروں کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں اور سونے کے ؟؟ بھی اور یہ چیزیں تو صرف دنیا کی زندگی کا سامان ہیں اور آخرت تیرے رب کے پاس متقیوں کے لیے ہے۔"[۷]

ان آیات کی تفسیر میں مولانا وحید الدین نے لکھا ہے:

"پیغمبر اسلام جب مکہ میں ظاہر ہوئے تو اس وقت وہ لوگوں کو ایک معمولی انسان نظر آتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ خدا کو اگر اپنا کوئی نمائندہ ہماری ہدایت کے لیے بھیجنا تھا تو اس نے عرب کی مرکزی بستیوں (مکہ اور طائف) کی کسی عظیم شخصیت کو اس کے لیے کیوں نہیں چنا۔ مگر یہ ان کی نظر کی

کوتاہی تھی۔ انسان صرف حال کو دیکھ پاتا ہے، جبکہ پیغمبر اسلام کی عظمت کو سمجھنے کے لیے مستقبل کو دیکھنے والی نظر درکار تھی۔ چونکہ لوگوں کو اس قسم کی دور بین نظر حاصل نہ تھی، وہ پیغمبر اسلام کی عظمت کو سمجھنے میں ناکام رہے۔

پیغمبر اسلام کو کم سمجھنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی زندگی میں مادی چیزوں کی رونق لوگوں کو دکھائی نہ دیتی تھی، مگر ان مادی چیزوں کی خدا کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ چیزیں خدا کی نظر میں اتنی غیر اہم ہیں کہ وہ چاہے تو لوگوں کو سونے چاندی کا ڈھیر دے دے، مگر خدا نے ایسا نہیں کیا کہ لوگ انھی چیزوں میں اٹک کر رہ جائیں گے۔ وہ اس سے آگے بڑھ کر حقیقت کو نہ پاسکیں گے۔'' [۱۵]

اس تفسیر نے واضح کر دیا ہے کہ کفار کہ نے چونکہ حضور علیہ السلام کو معاشی طور پر ادنیٰ آدمی سمجھا ہوا تھا، اس لیے وہ ان سے ہدایت کے طالب نہیں ہونا چاہتے تھے اور یہ ایک طرح سے ذات نبوی کا استخفاف تھا۔ پس اس جگہ اللہ تعالیٰ نے معاشی درجات میں فرق مراتب کو لوگوں کے مابین استخفاف واستہزا کا نہ صرف سبب قرار دیا بلکہ انھیں ایسا کرنے سے منع بھی کیا۔ مطلب یہ کہ لوگوں میں یہ فرق اس لیے نہیں رکھا گیا ہے کہ اسے بنیاد بنا کر لوگ ایک دوسرے کا مذاق اڑائیں۔ قرآن مجید کے اس مقصود ومدعا تک بہت کم مترجمین پہنچ پائے ہیں۔ عصر حاضر کے نامور عالم دین پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اپنے ترجمے میں اس مدعائے قرآنی کو بہت عمدگی سے بیان کیا ہے:

''کیا آپ کے رب کی رحمت (نبوت) کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم ان کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے (اسباب) معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر (وسائل و دولت میں) درجات کی فوقیت دیتے ہیں۔ (کیا ہم یہ اس لیے کرتے ہیں) کہ ان میں بعض (جو امیر ہیں) بعض (غریبوں) کا مذاق اڑائیں؟ (یہ غربت کا تمسخر ہے کہ تم اس وجہ سے کسی کو رحمت نبوت کا حق دار ہی نہ سمجھو) اور آپ کے رب کی رحمت اس (دولت) سے بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے (اور گھمنڈ کرتے) ہیں)۔'' [۱۶]

واضح ہو کہ اس فکر کی تائید شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ترجمہ قرآن میں بھی موجود ہے:

''...... وبلند مرتبہ ساختیم بعض ایشان را بعض تا تمسخر گیرد بعض ایشان بعضے را......'' [۱۷]

آپ نے دیکھا کہ شاہ ولی اللہ کا ترجمہ تمسخر کے مفہوم پر مشتمل ہے۔ شاہ ولی اللہ سے پہلے یہ مفہوم امام قرطبیؒ کی تفسیر میں بھی موجود ہے: 'ھو من السخریة التی بمعنی الاستھزاء ای یستھزئ الغنی بالفقیر' [۱۸] امام قرطبی نے معروف معنی کے ساتھ تحریفہ کا یہ معنی بھی نقل کیا ہے جو استہزا کے مفہوم پر مشتمل ہے، یعنی وہ توہین جو کوئی مال دار کسی غریب کی کرتا ہے۔

افسوس کہ یہ انقلابی مفہوم امت میں رائج اور شائع نہ ہو سکا اور شاید اس کا سبب جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کا غلبہ واستیلا رہا، مگر اب لوگوں کا قرآنی شعور بڑھ رہا ہے۔ لوگ اپنے مسائل کا ادراک اور اس کا حل قرآنی افکار سے طے کرنا چاہتے ہیں، اس لیے جدید مترجمین میں قرآنی مقصدیت سے بالا مال یہ توانا فکر روز بروز پروان چڑھ رہی ہے۔ ماضی قریب کے ایک بزرگ عالم دین علامہ احمد سعید کاظمیؒ کے ترجمے میں بھی یہ حسن فکر ونظر موجود ہے:

''..... اور ہم نے (دنیوی نعمتوں میں) انھیں ایک دوسرے پر بدرجہا فوقیت عطا فرمائی تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کا مذاق اڑائیں اور آپ کے رب کی رحمت اس چیز سے بہت بہتر ہے جسے وہ جمع کر رہے ہیں۔'' [۱۹]

آخر میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ مقدم الذکر یعنی عمومی فکر کی رو سے جو تراجم کیے گئے ہیں، وہ بھی بلاشبہ امر واقعہ کے طور پر اپنے محل میں صحیح جچتے ہیں، مگر اس امکان غالب کے ساتھ کہ اس میں ایسے واقعاتی شہادات موجود ہیں جن کی تعبیر وتفسیر مثبت ومنفی ہر دو طرح سے ممکن ہے، جبکہ موخر الذکر یعنی خصوصی فکر کی رو سے قرآن کے قاری کو ایک ایسا منہاج عطا ہوتا ہے جس کی انقلاب آفریں تعبیر وتفسیر اول وآخر مثبت ہی مثبت اور ہر طرح کی منفیت سے محفوظ ہے اور یہی اس فکر کا حسن وکمال ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ترجمان القرآن، جلد سوم ص ۱۳۷، مرتبہ: غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، ۱۹۶۰ء۔

۲۔ تذکیر القرآن، جلد دوم، دار التذکیر، رحمن مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۵ء۔

۳۔ کنز الایمان، ناشر: المجدد احمد رضا اکیڈمی، کراچی ۱۹۸۲ء۔

۶۔ تبیان القرآن، فرید بک اسٹال، لاہور، ۲۰۰۵ء۔

۷۔ تدبر قرآن، جلد ہشتم ص ۲۲۶، فاران فاؤنڈیشن، لاہور ۱۹۸۸ء۔

۸۔ اسلام اور جدید معیشت وتجارت، ص ۳۲، ادارۃ المعارف کراچی، ۱۹۹۹ء۔

۱۱۔ عرفان القرآن، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اشاعت ہفت دہم، ۲۰۰۶ء۔

۱۲۔ فتح الرحمن، ناشر: الامیر الولید بن طلال بن عبد العزیز آل سعود، ۱۴۱۶ھ۔ ترجمہ کے حاشیہ میں یہ عبارت درج ہے: چشم حقارت کرد۔

۱۳۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، الجزء السادس، الناشر: دار الکاتب العربی للطباعۃ والنشر بالقاہرۃ، ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء۔

التفسیر؛ مجلس تفسیر، کراچی جلد ۵، مسلسل شمارہ ۱۹، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۱ء، ص ۱۴۔۴۱

مقامِ عبدیت کے تقاضے اور سرفرازیاں

(قرآن و حدیث کی روشنی میں) ایک تجزیہ

ڈاکٹر رابعہ شیخ

Who am I? From where have I come? Where I have to go after death? What is the purpose of my creation? What is my relationship to this universe? What is my status in this entire universe? Then what are the demands imposed upon me by this status? What are the multiple stages of this enlightenment? What is the Zenith of the submission to God (Allah)?

My research is based on these above mentioned questions therefore I have made Holy Quran and Sunnah as the criterion or standard in order to answer the above questions so that absolute truth could be found out. I hope you would understand the point as it is said:

"Shayed ho teray Dil mein Uter jaey meri Baat"

Status of worship is a journey - these evolutionary and enlightening phases(stages) which are mentioned in my research paper are a part of Absolute Truth if any mistake is found out regarding this truth then forgiveness is asked.

Nevertheless, May Allah accepts this literary effort of

mine and blesses me with the Power of Truth and enlightenment.

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ لَقَدْ أَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۝ (سورۃ مریم، آیت: ۹۳ تا ۹۶)

ترجمہ: آسمان و زمین میں جو بھی ہیں سب کے سب اللہ کے غلام بن کر ہی آنے والے ہیں۔ ان سب کو اس نے گھیر رکھا ہے اور سب کو پوری طرح گن بھی رکھا ہے۔ یہ سارے کے سارے قیامت کے دن اکیلے اس کے پاس حاضر ہونے والے ہیں۔ بے شک جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے شائستہ اعمال کیے ہیں ان کے لیے رحمٰن محبت پیدا کردے گا۔

بقول علامہ اقبال:

میں کہاں ہوں تو کہاں ہے، یہ مکاں کہ لامکاں ہے
یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کرشمہ سازی
(بالِ جبرائیل)

عبد کا مفہوم

العبودیۃ اظہار التذلل والعبادۃ ابلغ منہا لانہا غایۃ التذلل والعبد، بعیر معبد مذلل بالقطران (۱)

اُردو ترجمہ: عبد، العبودیۃ کے معنی کسی کے سامنے ذلت اور انکساری ظاہر کرنا ہے۔

مگر العبادۃ کا لفظ انتہائی درجہ کی ذلت اور انکساری ظاہر کرنے پر بولا جاتا ہے۔ العبد، بندہ۔ "بعیرٌ معبّدٌ" جس پر تارکول مَل کر اسے خوب بدصورت کر دیا گیا ہو۔

عبد کے مندرجہ بالا معنی سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس میں ابتداً زبونی و ذلت کا پہلو نکلتا ہے اور پھر تحقیر و غلاظت کا بدستور آنا ثابت ہے اور دوسرے یہ کہ ابتداً تکلیف کا باعث، مگر نتائج کے اعتبار سے آخر الامر اس کا نفع بخش ثابت ہونا کے ہیں۔ جیسا کہ اہل عرب کرتے تھے پہلے نئی چیز کو بدصورت بنا دیا۔ لیکن آنے والے وقت نے ثابت کیا کہ کس طرح اس بدصورتی نے لکڑی کو پانی سے محفوظ کرکے پائیدار بنا دیا۔ یہی معنی اگر عبد کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے اختیار کیے جائیں تو اس سے حقیقت واضح ہوکر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ کہ جب انسان عبد جیسی حیثیت **Status** کو اختیار کرتا ہے یعنی کہ فطرتاً خود کو عبد کی صورت میں پاتا ہے تو خود کو محکوم تصور کرتا ہے اور اس حقیقت اصلی کا ادراک کرکے وہ جب اقرار کرتا ہے تو اس کا اقرار کرنا خود کو انتہائی درجہ کی ذلت اور انکساری اختیار کرنا ہوتا ہے یہ جذبۂ اطاعت و فرمانبرداری، محکومیت فطری ہے جو انسان کے لاشعور میں موجود ہے اس سے کسی انسان کو بھی انکار نہیں۔

ارشاد ربانی ہوتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ٥

(سورۃ الذاریات، آیت:۵۶)

ترجمہ: اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو۔

مقام عبدیت کے بنیادی تقاضے

ہر مقام کے کچھ بنیادی تقاضے ہوتے ہیں، لہٰذا اس مقام عبدیت کے بھی کچھ تقاضے ہیں جو درج ذیل ہیں:

پہلا تقاضہ۔ مشقت

ذلت و انکساری ارادتاً اختیار کرنے سے اس میں شوق اور رغبت پیدا ہوجاتی ہے اس طرح وہ بآسانی "آسان سے مشکل یعنی **Easy to hard** کی جانب بڑھتا چلا جاتا ہے۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ یہ تھوڑی سی مشقت اسے کس قدر نفع دلا سکتی ہے، اس طرح اس کی نظر فقط نفع کی جانب ہوتی ہے ہر انسان منفعت بخشی کا خواہاں ہے۔ اقرار کے اس تقاضے کو قرآن کریم میں بہت خوب صورتی سے بتایا گیا ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ط **(سورۃ البقرۃ، آیت:۲۸۶)**

ترجمہ: اللہ نہیں دیتا کسی کو تکلیف، مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے۔

اس طرح مشقت تقاضۂ بندگی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ:

اگر مشقت تقاضۂ بندگی قرار پاتی ہے تو منفعت اس کا لازمی نتیجہ ہے۔

دوسرا تقاضہ۔ نقطۂ وحدت معبودیت (محکومیت)

"فالعبد اذا وجمع العبد الذی ھو مسترق عبید وقیل عبدٌ" (۲)

اُردو مفہوم: اگر العبد بمعنی غلام استعمال ہو تو اس کی جمع عبید اور عبد آتی ہے۔

اس طرح انسان یا تو عبداللہ ہوگا یا پھر عبدالات چنانچہ اس طرح دوسرا تقاضہ وحدت عبدیت قرار پاتا ہے۔

نوعیت عبد (Nature of Abd)

جب ہم غلام لفظ کی نوعیت کا جائزہ لیتے ہیں۔ تو غلام کسی ایک فرد کا ہوتا ہے مشترک غلام نہیں ہوتا۔ یعنی ہر صورت ایک مالک اس پر حاوی ہوتا ہے جس کی عبادت و خدمت کرنا اس پر لازم ہے المفردات فی غریب القرآن میں ہے کہ:

"عبد بالعبادۃ والخدمۃ والناس فی ھذا ضربان عبداللہ مخلصا وھو المقصود بقولہ واذکر عبدنا ایوب، وعبدالدینار واعراضھا

وھو المعتکف علیٰ خدمتھا ومراعاتھا وایاہ قصد النبی علیہ السلام تعس عبدالدرھم تعس عبدالدینار" (۳)

اُردو مفہوم: عبد وہ ہے جو عبادت یا خدمت کی بدولت عبودیت کا درجہ حاصل کرلیتا ہے اس لحاظ سے جن پر عبد کا لفظ بولا گیا ہے وہ دو قسم پر ہیں ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے بن جاتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا: "اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو" (سورۃ ص، آیت: ۳۸،۴۱) دوسرے وہ جو دنیا کی لالچ اور حرص کے غلام بن کر ہر وقت اس کی پرستش میں لگے رہتے ہیں۔ اور اس کی طرف مائل رہتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے متعلق ہی آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "درہم و دینار کا بندہ ہلاک ہو"

اس تصریح سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان ایک وقت میں دو کی تابعداری نہیں کرسکتا۔ اس سلسلے میں وہ عاجز ہے۔

عبد کی صورتیں (Forms of Abd)

عبد اپنی نوعیت کے اعتبار سے اپنے اندر جو خلقی استعداد رکھتا ہے اسے وہ مثبت طور پر بھی استعمال کرسکتا ہے اور منفی طور پر بھی۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں بہت خوب صورتی سے کیا گیا ہے تاکہ حقیقت واضح ہوجائے اور کوئی احتمال نہ رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ج (سورۃ النحل، آیت: ۳۶)

ترجمہ: کہ بندگی کرو اللہ کی اور بچو بڑے سے۔

اس طرح عبد دو صورتوں میں ہمارے سامنے ہے۔

عبد کی اطلاقی صورتیں

مثبت صورت	منفی صورت
۱۔ عبداللہ	۱۔ عبدالطاغوت
۲۔ عبادنا المومنین	۲۔ عبد خنزیر
۳۔ عباد الرحمٰن	۳۔ القردۃ
۴۔ عباد اللہ المخلصین	۴۔ عبدالات
۵۔ عبداً شکوراً	۵۔ عبدالنفس
۶۔ اسریٰ بعبدہٖ (مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک)	۶۔ عبدالدرھم
۷۔ سدرۃ المنتہیٰ	۷۔ عبدالدینار وغیرہ۔

ویقال الطریق معبد، ای مذلل بالوطء (۴)

اُردو مفہوم: ہموار راستہ جس پر لوگ آسانی سے چل سکیں۔

جب سڑک کو کوٹ کر ہموار کردیا جاتا ہے تو لوگ اس پر آسانی سے چل سکتے ہیں۔ اس طرح 'عبد' وہ حیثیت ہے کہ جب وہ مالک حقیقی کی مملوک ہونے کا اقرار کرتا ہے تو پھر اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو اس کی منشاء کے مطابق صرف کرتا ہے۔

عبد کی اطلاقی صورتوں کی مدلل تفصیل

اب ہم عبد کی اطلاقی صورتوں کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیں گے تاکہ حقیقتِ اصلی کا ادراک بآسانی کرسکیں۔ تاہم ان اطلاقی صورتوں کے اثرات و نتائج کو بھی اچھی طرح تفصیلاً بیان کیا جائے گا۔ تاکہ موعظت و عبرت حاصل ہوسکے۔ ظلمت و نور کا فرق سمجھ آئے نیز اجتہاد و جہاد بالنفس کی صلاحیت و قوت سے خود کو مالا مال کرسکیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ فلاح دارین حاصل کرسکیں۔

مسئلہ مذکورہ کو قرآن میں انتہائی مدلل اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جو کچھ اس طرح

ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ط لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ط وَ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ط اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ o قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ o وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ o قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ o قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ o فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ط قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ o لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ط ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ط يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ o وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ج فَبَشِّرْ عِبَادِ o الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ o (سورۃ الزمر، آیت: ۱۰ تا ۱۸)

ترجمہ: کہہ دو اے میرے ایمان والے بندو! اپنے رب سے ڈرتے رہو جو اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لیے نیک بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی زمین بہت کشادہ ہے صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے۔ آپ کہہ دیجیے! کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کروں کہ اسی کے لیے عبادت کو خالص کر لوں۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا فرمانبردار بن جاؤں۔ کہہ دیجیے! کہ مجھے تو اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے بڑے دن کے عذاب کا خوف لگتا ہے۔ کہہ دیجیے! میں تو خالص کر کے صرف اپنے رب ہی کی عبادت کرتا

ہوں تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرتے رہو کہہ دیجیے! کہ حقیقی زیاں کار وہ ہیں جو اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو قیامت کے دن نقصان میں ڈال دیں گے، یاد رکھو کہ کھلم کھلا نقصان یہی ہے۔ انہیں نیچے اوپر سے آگ کے سائبان ڈھانک رہے ہوں گے یہی ہے جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرا رہا ہے۔ اے میرے بندو! پس مجھ سے ڈرتے رہو۔ اور جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے پرہیز کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے وہ خوشخبری کے مستحق ہیں۔ میرے بندوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔ جو بات کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر جو بہترین بات ہے اس کی اتباع کرتے ہیں یہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہی عقلمند بھی ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے عبد کی محکومیت کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو انتہائی خوب صورتی سے جامع طور پر بیان فرما کر نتائج حقیقی سے آگاہ فرما دیا۔ اب یہ انسان کی اپنی نفسی استعداد ہے کہ وہ کس صورت کو اپناتا ہے۔ اب ہم ان ہی صورتوں کو انتہائی متین و مفصل انداز سے قرآنی دلائل کی روشنی میں بیان کریں گے۔

اعبدوا اللہ کا مفہوم

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ط اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ o وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ط وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ لا مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ o

(سورۃ الرعد، آیت: ۳۶ تا ۳۷)

ترجمہ: ”آپ اعلان کر دیجیے کہ مجھے تو صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شریک نہ کروں، میں اسی کی طرف بلا